مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

مدیر مسئول
شرف علی تھانوی

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر
خلیل احمد تھانوی

جلد۱	رجب المرجب ۱۴۲۱ھ / اکتوبر ۲۰۰۰ء	شمارہ نمبر۱۱

مفتاح الخیر

(بھلائی کی چابی)

از افادات: حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات وحواشی: مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ=/۱۰ روپے ○ زرسالانہ=/۱۰۰ روپے

پتہ دفتر
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ
۲۹۱ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور
ماہنامہ الامداد
فون نمبر
۵۴۲۲۲۱۳-۴۴۸۰۶۰

ناشر: مشرف علی تھانوی
مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۲۰/۱۳ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور
مقام اشاعت
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ لاہور پاکستان

مفتاح الخیر

حضرت والا نے یہ وعظ قصبہ جلال آباد ضلع مظفر نگر میں تین محرم ۶ ۱۳۳ھ کو ایک ایک گھنٹہ پندرہ منٹ کھڑے ہوکر خدمت علمیہ کی فضیلت پر عمارت مدرسہ اسلامیہ کی افتتاحی تقریب کے موقع پر بیان فرمایا، سامعین کی تعداد پچاس تھی۔

مولانا احمد حسن صاحب نے اسے قلم بند فرمایا

مفتاح الخیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرحیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً (۱)۔

غرض وعظ

یہ جملہ ایک آیت کا ٹکڑا ہے اس میں حق تعالیٰ نے حکمت کی فضیلت بیان فرمائی ہے اور اس بیان کا موقع ظاہر ہے کہ تقریب افتتاح مدرسہ اسلامیہ کی ہے اور میرا مقصود اس بیان سے استمداد مالی (۲) نہیں ہے کہ آپ لوگ مدرسہ کی مدد کریں بلکہ مقصود یہ ہے کہ اس فعل کی حقیقت معلوم ہو کر آپ کو مسرت (۳) ہو کہ الحمد للہ ہم کو ایسے بڑے کار خیر (۴) میں شرکت کی توفیق ہوئی باقی اس کام کی تکمیل حق تعالیٰ کے اختیار

---

(۱) سورۃ البقرۃ آیت نمبر: ۲۶۹ ترجمہ: اور جس کو دین کا فہم مل جائے اسکو بڑی خیر کی چیز مل گئی (۲) مالی مدد طلب کرنا نہیں ہے (۳) خوشی ہو (۴) اچھے کام

میں ہے خواہ وہ آپ حضرات کے ذریعے سے تکمیل فرمادیں یا دوسرے لوگوں کے ہاتھ سے، میری غرض تقریر سے صرف اسی قدر ہے کہ اس فعل کی حقیقت سے آپ حضرات آگاہ ہوجائیں اور مسرور (۱) ہوکر شکر خداوندی بجالاویں (۲) کہ ایسے عظیم الشان دین کے کام کی توفیق ہوئی۔

حکمت کے معنیٰ

حق تعالیٰ نے ان مختصر الفاظ میں علم دین کی فضیلت عنوان حکمت سے جس کے معنیٰ حقیقت شناسی (۳) کے ہیں بیان فرمائی ہے اور اس پر اجماع ہے علماء، حکماء، عقلاء کا کہ مراد حکمت سے حقیقت شناسی ہے۔

یہ دوسری بات ہے کہ حقیقت کی تعیین (۴) میں اختلاف واقع ہوجاوے چناچہ فلاسفہ یونانیین نے جن امور کو حقائق سمجھا ہے وہ اور ہیں اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوۃ نے جو حقائق ارشاد فرمائے ہیں وہ اور ہیں۔

انبیاء اور حکماء کے دلائل میں فرق

اور اس کا فیصلہ کہ کون سے حقائق صحیح اور حق ہیں آسانی سے اس طرح ہوسکتا ہے کہ جانبین (۵) کے دلائل میں غور کیا جاوے اس سے معلوم ہوجاوے گا کہ کون سے دلائل صحیح ہیں اور کون سے فاسد (۶) ہیں اس سے صاف معلوم ہوجاوے گا کہ کس کا دعویٰ صحیح اور کس کا غلط ہے کیونکہ صحت وفساد دعوے کا دلیل ہی کے صحت وفساد سے

---

(۱) خوش ہو کر (۲) اللہ کا شکر ادا کریں۔ (۳) حقیقت کو پہچاننے کے ہیں (۴) حقیقت کو متعین کرنے میں (۵) دونوں طرف والوں کے دلائل میں غور کریں (۶) غلط

معلوم ہوتا ہے (۱) سو دلائل میں غور کرنے سے کالشمس فی نصف النہار صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حکماء کے دلائل ومقدمات نہایت ضعیف اور لچر ہیں (۲) اور اس بات کو جو پابند مذہب نہیں وہ بھی جانتے ہیں بلکہ خود مستدلین (۳) بھی اپنے دل میں سمجھتے ہیں کہ ہم کیسی پوچ (۴) باتیں کہہ رہے ہیں اور حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ کے دلائل ومقدمات نہایت قوی ہیں اور یقینی ہیں۔

اور صرف نقلی ہی نہیں ہیں بلکہ عقلی بھی ہیں کیونکہ نقلیات کا مرجع عقلیات (۵) ہوا کرتے ہیں مثال اس کی یہ ہے کہ مثلاً قیامت کا وقوع (۶) دلیل سے ثابت ہے اور صرف عقل سے اس کا ادراک (۷) نہیں ہوسکتا لہٰذا یہ مسئلہ نقلیہ ہے مگر اس طرح یہ مسئلہ عقلیہ ہے کہ اس کی دلیل مرکب ہے اور مقدموں (۸) سے۔

پہلا مقدمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے وقوع کی قرآن مجید میں خبر دی ہے اور دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ جو کلام اللہ میں بتلایا جاوے وہ صحیح ہے اور اس سے پہلے مقدمے کو اس حیثیت سے بیان نہیں کیا گیا کہ یہ کلام اللہ ہے اور اس کا صحیح ہونا لازم

(۱) دعوی کا صحیح وغلط ہونا دلیل کے صحیح وغلط ہونے سے معلوم ہوسکتا ہے (۲) پس دلائل میں غور کرنے سے دوپہر میں چمکتے سورج کی مانند یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ حکماء کے دلائل نہایت کمزور اور بودے ہیں (۳) خود ان دلائل سے استدلال کرنے والے بھی (۴) کمزور باتیں (۵) نقلی دلائل بھی کسی نہ کسی عقلی حکمت پر مبنی ہوتے ہیں (۶) قیامت کا آنا (۷) صرف عقل سے آدمی یہ بات معلوم نہیں کرسکتا کہ قیامت آئیگی بلکہ اس کے لئے کسی آیت یا حدیث جو کہ علم نقلی ہے سے ثبوت مہیا ہوگا (۸) مقدمہ اس بات کو کہتے ہیں جس پر کسی بات کا سمجھا موقوف ہو قیامت کے واقع ہونے کی عقلی دلیل اسطرح بیان کرتے ہیں کہ یہ دو مقدموں پر موقوف ہے پہلی بات یہ کہ قیامت کے واقع ہونے کی خبر قرآن پاک میں ہے دوسری بات یہ کہ جو خبر قرآن پاک میں ہو وہ صحیح بات ہوتی ہے پس عقلاً یہ بات ثابت ہوگئی کہ قیامت واقع ہوگی۔ رہ گئی یہ بات کہ یہ کیسے معلوم ہو کہ یہ کلام اللہ ہے پس اس کی دلیل قرآن پاک میں موجود ہے کہ تم ایسی ایک سورۃ ہی بناؤ تمہارا اس جیسی ایک سورۃ بھی نہ بنا سکنا اس کے کلام الٰہی ہونے کی دلیل ہے

ہے بلکہ یہ ایک دوسرا مستقل مقدمہ ہے جس کی دلیل عقلی خود قرآن مجید میں یہ موجود ہے 'وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فأتوا بسورة من مثلہ (۱) جس کا ماحصل (۲) یہ ہے کہ اگر تم کو اس قرآن کے کلام الٰہی ہونے میں شبہ ہے اور کلام بشر ہونے کا احتمال ہے تو اس کی مثل ایک ہی سورۃ تصنیف کر لاؤ (آخر تم فصحاء، بلغاء، واہل زبان ہو سو تم کو تو اس میں کچھ بھی تامل نہ ہونا چاہئے۔قالہ الجامع عفی عنہ) (۳)

اور چونکہ وہ لوگ باوجود مخالفت شدیدہ وسعی بلیغ کے قرآن کے مقابل ایک سورۃ تو کیا ایک آیت بھی نہ لا سکے تو ثابت ہو گیا کہ یہ کلام بشر نہیں ہے اور کلام عزوجل ہے بس معلوم ہو گیا کہ مسئلہ وقوع قیامت کا تقریر مذکور کے اعتبار سے عقلی ہے اور تمام دعاوی نقلیہ مقدمات عقلیہ سے ثابت ہونے کی وجہ سے عقلیہ ہوتے ہیں لہٰذا عقلی ہونے کی وجہ سے حکماء پر بھی حجت ہیں اور حکماء میں خود باہم جوتی پیزار (۴) ہونا اور ایک دوسرے کی دلیلوں کا توڑنا یہ بھی ان کے مقاصد ومقدمات کے ضعف کی دلیل ہے بخلاف ان مقاصد ومقدمات کے جن کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیم لائے ہیں کہ ان سب کا مقصود واحد (۵) اور اصول متفق (۶) ہیں گو بعض فروع میں باختلاف ازمنہ اختلاف واقع (۷) ہوا ہے لیکن اس اختلاف میں اور حکماء کے اختلاف میں زمین

---

(۱) البقرہ آیت ۲۳ اور اگر تم لوگ کچھ خلجان میں ہو اس کتاب کی نسبت جو ہم نے نازل فرمائی ہے اپنے بندہ خاص پر تو اچھا پھر تم بنا لاؤ ایک محدود ٹکڑا جو اس کا ہم پلہ ہو (۲) جس کا حاصل یہ ہے کہ (۳) قوسین کے درمیان جو بات لکھی ہے وہ مولانا احمد حسن صاحب جامع وعظ نے کہی ہے (۴) ایک دوسرے کا رد کرنا (۵) بندوں کا خدا سے ملانا (۶) عقائد کے بارے میں سب انبیاء حضرت آدمؑ سے حضور ﷺ تک متفق ہیں (۷) بعض فروعی مسائل میں انبیاء میں زمانہ کی وجہ سے اختلاف ہوا ہے

وآسمان کا فرق ہے اس اختلاف میں تناقض (۱) نہیں اور اگر مجتہدین کے اختلاف میں کہیں تناقض بھی ہے تب بھی ایک کو دوسرے کے رد کا خیال بھی نہیں ہوتا۔ اور حکماء کے اختلاف میں علاوہ تناقض کے ان کو بجز رد وقدح کے اور مقصود ہی نہیں (۲) ہوتا۔ اور اگرچہ بعض مدعیان عقل نے انبیاء علیہم السلام کے دعووں کو بھی رد کرنا چاہا ہے مگر مبطل (۳) کو ہمیشہ محرومی ہی ہوئی ہے اور کبھی کامیابی نہیں ہوئی۔

حصول علم دین کے لئے یؤت الحکمۃ کہنے کی وجہ

غرض دلائل سے معلوم ہو رہا ہے کہ حقائق کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ ہی نے سمجھا ہے پس اس آیت میں حکمت سے مراد یہی حقائق ہیں جو انبیاءؑ کے بتلائے ہوئے ہیں جس کا حاصل دین ہے اور بجائے لفظ علم کے حکمت کا لفظ اس لئے اختیار کیا گیا کہ حکمت کی خیریت متفق علیہ ہے۔ گو اس کی حقیقت کی تعیین مختلف فیہ (۴) ہو تو اس صورت میں صرف تعیین حقیقت ہی میں کلام رہے گا باقی حکمت کا خیر کثیر ہونا مسلم رہے گا۔ بخلاف عنوان دین کے کہ اس میں خود اس حکم ہی میں اختلاف ہو جاتا۔

غرض حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص حکمت یعنی علم دین عطا کیا جاوے تو اسکو بیشک خیر کثیر مل گئی۔ اب یہ سمجھئے کہ آیت میں یؤت الحکمۃ فرمایا یہ نہیں ارشاد فرمایا من تعلم الحکمۃ یا من حصل الحکمۃ یعنی حق تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ جو شخص حکمت دیا جاوے اس کو خیر کثیر مل گئی یہ نہیں فرمایا جو حکمت سیکھے یا جو حکمت حاصل

(۱) ایک دوسرے کی ضد (۲) حکماء کے اختلاف کا مقصد سوائے ایک دوسرے کے رد کے اور کچھ نہیں (۳) انبیا کے دعووں کو رد کرنے والے کو ہمیشہ ناکامی ہوئی (۴) اگرچہ اس کی حقیقت کو متعین کرنے میں اختلاف ہو

کرے اس کو خیر کثیر مل گئی اس میں یہ رمز (۱) ہے کہ کہیں طالب علم و محصل کو زعم اور عجب اور ناز نہ پیدا ہو جاوے کہ میں نے اپنی فطانت وذہانت ومحنت سے علم حاصل کیا ہے (۲) پس مــن یــؤت میں یہ بتلا دیا کہ یہ محض موہبت (۳) خداوندی ہے جس کو چاہیں عطا فرما دیں گو اس کے اسباب مکتسبہ (۴) ضرور ہیں اور اسی بناء پر انسان اس کی تحصیل کا مکلف قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ حدیث میں ہے طلب العلم فریضة علی کل مسلم (۵) (قال الجامع (۶) رواہ ابن عبد الله باسناد صحیح کما فی الجامع الصغیر (والمتن) قال ابن القطان صاحب ابن ماجه فی کتاب العلل عقب ایراد له من جهة سلام الطویل عن انس ومرفوعا، انه غریب حسن الاسناد وقال العراقی قد صحح بعض الائمة بعض طرقه وقال الترمذی ان طرقه تبلغ به رتبه الحسن ورتبة فی ثانی السمعونیات من حدیث موسی بن داؤد ثنا حماد بن سلمة عن قتادة عن انس به ورجاله ثقات هذا کله فی المقاصد الحسنة قال الجامع وبسط فیه الکلام لان المشهور انه لیس له اسناد ثابت۔)

---

(۱) راز ہے (۲) تاکہ علم حاصل کرنے والے کو یہ گمان اور تکبر نہ ہو کہ میں نے اپنی سمجھ اور ذہانت سے یہ علم حاصل کیا (۳) صرف خدا کی عطاء ہے (۴) حصول علم کے اسباب اختیاری ہیں (۵) علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے (۶) مولانا احمد حسن صاحب جنہوں نے اس وعظ کو قلم بند کیا ہے وہ طلب العلم فریضة والی حدیث کی مختلف سندوں کو ذکر کر رہے ہیں کہ کس کس کتاب میں یہ حدیث نقل ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ کئی اسناد اس لئے ذکر کی ہیں کہ یہ بات مشہور ہے کہ اس حدیث کی سند ثابت نہیں

دین کی سمجھ عطیہ الٰہی ہے

مگر سچ یہ ہے کہ بعد سعی کے علم دین کا حاصل ہو جانا یہ محض موہوب من اللہ ہے مکسوب (۱) نہیں ہے جیسے نکاح فعل اختیاری ہے اور اسی طرح مجامعت بھی فعل اختیاری ہے مگر اولاد کا ہونا بالکل غیر اختیاری ہے اگر حق تعالیٰ چاہیں عطا فرمادیں اور چاہیں محروم فرمائیں سو اسی طرح کتاب پڑھنا محنت کرنا سامان تحصیل مہیا کرنا افعال اختیاریہ ہیں لیکن حصول علم دین غیر اختیاری ہے کیونکہ درحقیقت علم دین حقائق دینیہ کا قلب پر وارد ہونا ہے اور وہ محض موہوب ہے۔

اور میں اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر دعویٰ سے کہتا ہوں کہ آپ دو طالب علم لیجئے جو ہر طرح ظاہری اسباب تحصیل میں مساوی درجہ (۲) کے ہوں یعنی استاد دونوں کا ایک ہو، توجہ بھی استاد کی دونوں پر مساوات کے ساتھ ہو، تدریس وتحشیہ وتصنیف (۳) وغیرہ کا کام بھی دونوں سے برابر درجہ میں لیا گیا ہو، مدت تکمیل بھی دونوں کی ایک ہو، عمر بھی ایک ہو، فطانت وذہانت میں بھی برابر ہوں، مگر ایک میں تقویٰ زیادہ ہو تو ضرور ہے کہ متقی کا علم لطیف اور بڑھا ہوا ہو گا اور یہ امر مشاہدہ ہے۔ لاریب فیہ۔ (۴)

بلکہ بعض اوقات متقی اس درجہ کا ذہین نہیں ہوتا جس درجہ کا وہ دوسرا شخص

---

(۱) اللہ کی عطاء ہے بندہ کی کوشش کا نتیجہ نہیں (۲) برابر درجہ کے (۳) پڑھانے اور حاشیہ لکھنے تصنیف تالیف کرنے کا کام بھی دونوں سے ایک سا کرایا گیا ہو (۴) یہ بات عام دیکھی جاسکتی ہے اس میں کوئی شک نہیں

ذہین ہوتا ہے جو اس سے تقویٰ میں کم درجہ کا ہے مگر باوجود اس کے متقی کا علم (٭) پھر اسباب ظاہریہ کی مساوات کے ہوتے ہوئے تقویٰ سے علم کا زیادہ لطیف ہوجانا یہ موہوب ہونے کے سبب سے نہیں تو اور کیا ہے پس معلوم ہوا کہ حصول علم دین محض وہبی ہے۔ وللہ العارف الرومی حیث یقول (۱)

بینی اندر خود علوم انبیا　　　　بے کتاب و بے معید و اوستا

(اپنے اندر علوم انبیاء مشاہدہ کروگے بدون کتاب اور تکرار کرانے والے کے اور استاد کے)

تقویٰ ترقی علم کا سبب ہے

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب علیہ الرحمۃ کے دیکھنے والے اس جماعت میں موجود ہیں مولانا کی تقریر آپ حضرات نے سنی ہوگی کہ کس درجہ کی ہوتی تھی اور مولانا کا کیسا علم تھا اور مولانا کی طالب علمی کی شان دیکھنے والوں سے سننے والے ابھی موجود ہیں کہ کس بے پروائی سے مولانا نے پڑھا تھا۔ ابتدا ہی سے ویرانوں اور

(٭) اور اگر شبہ ہو کہ تقویٰ بھی تحصیل علم کا سبب ہے اور وہ ایک شخص میں کم ہے اسی لئے اس کے علم میں بھی کمی ہے پھر موہوب علم کہاں رہا اور مساوات کہاں متحقق ہوئی تو جواب یہ ہے کہ اول تو ہم کو یہی مسلم نہیں کہ تقویٰ بھی تحصیل علم کا ایک سبب ہے چنانچہ کوئی شخص خاص اس نیت سے تقویٰ کر دیکھے کہ ہمارے علم میں ترقی ہوگی۔ سو دیکھ لے گا کہ انشاء اللہ تعالیٰ اس کے علم میں خاک بھی ترقی نہ ہوگی۔ ترقی تو عادۃً ہوجاتی ہے جبکہ مقصود تقویٰ سے خاص رضائے الٰہی ہو اور برتقدیر تسلیم (۲) یہ اسباب ظاہریہ میں سے نہیں ہے اور یہاں ذکر اسباب ظاہری کا ہے اور جو اسباب کو عام لیا جائے تو اسباب غیر ظاہری تو رحمت خداوندی بھی ہے جو سبب ہے موہبت کا تو پھر یہ بھی کہا جاوے گا کہ ایک کے شامل رحمت الٰہیہ ہے اور وہ سبب ہے زیادت کا اور دوسرے کو یہ میسر نہیں فلا مساواۃ حالانکہ یہ احتمال کوئی ذی فہم نہیں کرسکتا جامع عفی عنہ

(۱) اور اللہ ہی کیلئے ہے عارف رومی کی نیکی اس لئے وہ کہتے ہیں (۲) اور اگر یہ بات مان بھی لی جائے

جنگلوں سے الفت تھی اور تجرد پسند(۱) تھے کہیں جمنا میں تیر رہے ہیں کہیں سیر و سیاحت کر رہے ہیں، ایک آزاد طبیعت تھی بخلاف ان کے اقران (۲) و ہمعصر حضرات کے کہ انھوں نے توجہ سے پڑھا، محنت کی، اساتذہ کاملین سے تحصیل کی مگر مولانا کے علوم کی شان ان میں نہ پیدا ہوئی یہ صرف تقویٰ کی برکت تھی۔ حدیث میں ہے من عمل بما علم ورثہ اللہ علم ما لم یعلم او کما قال (اخرجہ فی حلیۃ الاولیاء کما اوردہ فی بہشتی جوہر حصہ اول قال الجامع) (۳) یعنی جو عالم اپنے علم پر عمل کرے وارث کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ ایسے علم کا جس کو وہ نہیں جانتا ہے۔

حضرت استاذی و مولائی مولوی شاہ محمد یعقوب صاحب قدس سرہ سے میرے سامنے پوچھا گیا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کو اس درجہ کا علم کس طرح حاصل ہو گیا آپ نے چند اسباب ذکر فرمائے کہ اساتذہ کامل تھے، پیر کامل تھے، تقویٰ تھا، اساتذہ کا ادب زیادہ فرماتے تھے اور یہ امور آپ کے اقران میں بھی تھے مگر باطنی تقویٰ کی ایک خاص شان آپ کے اندر تھی جو آپ کے معاصرین کو کم میسر تھی سب سے بڑی وجہ علم کی ترقی کی یہی ہوئی۔

غرض اس لئے حق تعالیٰ فرماتے ہیں من یؤت الحکمۃ الخ یعنی جس کو حکمت عنایت فرمائی گئی اس کو خیر کثیر مل گئی اشارہ اس طرف ہے کہ اگر تم حکمت لینا چاہتے ہو تو براہ راست اس کا حاصل ہو جانا تمہارے اختیار میں نہیں ہے اس کے حاصل ہونے کی صرف یہی صورت ہے کہ اپنے اندر قابلیت ایسی پیدا کر لو کہ جس سے

---

(۱) تنہائی پسند (۲) ان کے ساتھیوں اور ہمعصروں کے (۳) جامع وعظ کہتے ہیں کہ یہ حدیث حلیۃ الاولیاء میں بیان کی گئی ہے جیسے کہ بہشتی گوہر میں مذکور ہے

ہمارا عطیہ اور موہوبہ لینے کے قابل ہو جاؤ۔ اور وہ قابلیت تقوی کا اختیار کرنا ہے۔

تقوی میں اخلاص

مگر یاد رہے کہ اس قصد سے تقوی اختیار کرنا کہ علوم القاء ہوں ہرگز زیبا نہیں اور نہ اس طریق سے کامیابی کی امید۔ بلکہ تقوی محض مخلصاً للہ تعالی اور رضائے الٰہی کیلئے ہو عادت خداوندی کے موافق اس کی قابلیت کے اندازہ سے جو علم حق تعالی کو عطا فرمانے ہوں گے وہ عطا فرمادیں گے۔ اور جس کو سچا تعلق خداوند تعالی سے ہوگا وہ تو عبادت لغیر اللہ تعالی(۱) کیوں کرنے لگا۔ اور ایسا ہی شخص محل نزول (۲) برکات بھی ہے۔

علم کو حکمت سے تعبیر کرنا

اور حکمت کا لفظ بجائے علم کے ارشاد فرمانا اس کی وجہ جو میں پیشتر بیان کر چکا ہوں اس کے نظائر قرآن مجید میں اور بھی ہیں چنانچہ فرماتے ہیں تعالوا الی کلمة سواء بیننا و بینکم (۳) یعنی اے اہل کتاب تم ایسی بات کی طرف چلے آؤ اور وہ امر قبول کرلو جو ہمارے اور تمہارے درمیان میں اتفاقی ہے اور وہ توحید ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں ان لا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ (۴) یعنی وہ کلمہ یہ ہے جس کی طرف ہم داعی ہیں کہ ہم اور تم خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی شے کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور بعض ہم میں سے بعض کو اپنا رب نہ بنائیں خدا کو چھوڑ کر۔ جیسا وہ لوگ علما کے ساتھ برتاؤ کیا کرتے تھے۔

(۱) اللہ کے سوا کسی کی عبادت (۲) برکتیں نازل ہونے کا محل (۳) آل عمران آیت ۶۴ (۴) آل عمران آیت ۶۴

اب اس عنوان سے ایک درجہ میں ان سے موافقت کرلی کہ تم بھی توحید کو مانتے ہو اور ہم بھی پھر موافقت کے بعد ان سے یہ کہنا کہ تمھاری توحید واقع میں توحید نہیں ہے کہ ممزوج بشرک (۱) ہے اور ہماری توحید خالص اور واقعی توحید ہے اتفاق کے بعد اختلاف ہے جو ان پر زیادہ گراں نہیں ہوگا اور اگر پہلے ہی سے ان کو مشرک کہا جاتا تو وہ اول ہی سے سخت برانگیختہ (۲) ہو جاتے اور توحید کے مضمون کو سننا بھی گوارا نہ کرتے۔

اور ایک یہ بات سمجھنے کی ہے کہ آیت میں حکمت یعنی علم دین کو خیر کثیر کہا گیا حالانکہ صرف خیر کا لفظ بھی کافی تھا کیونکہ یہ لفظ اسم تفضیل ہے اس کے معنی ہیں بہت اچھا، اور ظاہر ہے کہ حق تعالی جیسی عظیم الشان ذات جس چیز کو بہت اچھا فرمائے اس کی خوبی کس درجہ کی ہوگی مگر صرف اسی لفظ پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ مزید مبالغہ (۳) کیلئے ''کثیر'' کا لفظ بھی اضافہ فرمایا یعنی علم دین بہت ہی بڑی نعمت ہے۔

علم دین کی افضلیت

اور بہت اچھا ہونے کے دو درجے ہیں ایک تو یہ کہ کوئی چیز بہت سی چیزوں سے یا کسی خاص چیز سے بہت اچھی ہو اور دوسرے یہ کہ تمام چیزوں سے زیادہ عمدہ ہو اور یہاں ظاہراً دوسری صورت مراد ہے کیونکہ یہاں مفضل علیہ (۴) مذکور نہیں ہے پس مراد یہ ہے کہ علم دین تمام اچھی چیزوں سے بڑھ کر ہے واضح ہو کہ اس خیر کے مفضل علیہ (۵) میں تمام واقعی عمدہ چیزیں داخل ہیں اور مال و دولت تو واقع میں کمال ہی نہیں

---

(۱) شرک کے ساتھ مخلوط (۲) مشتعل ہو جاتے ہیں (۳) زیادتی کیلئے (۴) جس پر فضیلت بیان کی گئی وہ مذکور نہیں (۵) اس خیر کو جس پر فضیلت دی گئی ہے اس میں سب اچھی چیزیں داخل ہو

اور نہ وہ کچھ زیادہ اچھا ہے بلکہ بقدر حاجت روائی محمود (۱) ہے اور وسیلہ ہے مقصود کا خود بذاتہ کچھ محمود مقصود (۲) نہیں۔

اس لئے اس خیر کے مفضل علیہ (۳) میں اس کے داخل ماننے کی ضرورت ہی نہیں اب رہا ایمان سو وہ خود ایمان اس علم ہی میں داخل ہے کیونکہ ایمان تصدیق بالقلب (۴) کا نام ہے اور ظاہر ہے کہ یہ علم ہے اب رہی جنت سو وہ اس خیر کے مفضل علیہ (۵) میں داخل ہے۔ کیونکہ ایمان کہ علم دین کی ایک فرد ہے جنت سے افضل ہے۔

گو بعض لوگوں نے جنت کو ایمان سے افضل کہا ہے اور یہ دلیل بیان کی ہے کہ من جاء بالحسنة فله خير منها۔ (۶) یعنی جو شخص نیکی کرے تو اس کو اس نیکی سے بڑھ کر جزا دی جاوے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ عمل سے جزا افضل ہے اور اعمال میں ایمان بھی ہے۔ لہذا ایمان کی جزا یعنی جنت ایمان سے افضل ہوئی لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ یہاں خیر سے مراد جنت نہیں بلکہ نفس "حسنہ" ہے (۷) تو مطلب یہ ہوا کہ آدمی جو نیکی کرتا ہے خواہ وہ ایمان ہو یا دیگر اعمال اللہ تعالی اس عمل کو بڑھا دیتے ہیں۔ مثلاً ایک نیکی کو بڑھا کر دس نیکی کر دیں پھر ان دس نیکیوں پر جزا مرتب ہوتی ہے

اور دوسری آیت میں تصریح ہے کہ وہ بڑھائی ہوئی چیز حسنہ ہی ہے چنانچہ فرمایا ہے من جاء بالحسنة فله عشر امثالها (۸) اور ظاہر ہے کہ

---

(۱) صرف اتنا مال کمانا جس سے انسان کی ضرورت پوری ہو جائے پسند ہے (۲) مقصود تک پہنچنے کا ذریعہ ہے خود مقصود نہیں (۳) اس لئے خیر (علم) کو جن چیزوں پر فضیلت دی گئی ہے ان میں مال داخل کرنے کی ضرورت ہی نہیں (۴) دل سے سچا ماننا (۵) جن چیزوں پر خیر کثیر (علم دین) کو فضیلت حاصل ہے ان میں جنت بھی داخل ہے اس لئے کہ ایمان علم دین کا ایک جز ہے اور وہ جنت سے افضل ہے (۶) القصص آیت ۸۴ (۷) مطلق نیکی ہے (۸) الانعام آیت ۱۶۱ جو شخص نیک کام کرے گا اس کو اس کے دس حصے ملیں گے

امثالها میں ضمیر مضاف الیہ کا مرجع حسنہ ہے (۱) تو حسنہ کے امثال حسنات ہی ہیں مثلاً کسی نے دو رکعت نماز پڑھی تو اس کو اول بیس رکعت یعنی دس گنا فرمایا پھر اس بیس رکعت کا ثواب مرحمت فرمایا کام کمزور تھا، لکھا گیا قوی، تھوڑا کیا تھا تحریر میں لایا گیا زیادہ۔ پس حسنات مضاعفہ کا حسنہ معمول بہا سے افضل ہونا لازم آیا نہ کہ جزا کا عمل سے (۲) اور اسی کی تائید کے درجہ میں نہ کہ احتجاج (۳) کے مرتبے میں عرض کرتا ہوں کہ بعض حضرات نے اولئك يبدل الله سيئاتهم حسنات (۴) کی تعبیر یہ کی ہے کہ سیئات (۵) سے مراد وہ طاعات (۶) ہیں جو موافق امر (۷) کے بجا نہیں لائی گئیں پس اللہ تعالیٰ بجائے ان کے خالص طاعات مرحمت فرما دیں گے

مثلاً نماز پڑھی اس میں مکروہات محرمات کا ارتکاب ہو گیا تو وہ نماز تھی سیئہ مگر عطا ہوئی نماز خالص اور تفسیر کچھ بعید نہیں کیونکہ بعض احادیث میں وارد ہوا ہے کہ گناہ گن گن کر بعضے لوگوں کو حق تعالیٰ ان گناہوں کے عوض نیکیاں مرحمت فرما دیں گے سو جب مستقل معاصی (۸) کے عوض حسنات دی جائیں گی تو عارضی معاصی کے عوض حسنات عطا فرمایا جانا کیا بعید (۹) ہے۔

وهو ظاهر الآية وتقييد المعاصي بالمكروهات التنزيهية بعيد في الجملة وتحويل عن الظاهر نعم لك ان تقول ان التبديل تعيم سائر المعاصي سوا كانت محرمة او مكروهة وتحمل الحديث والآية عليه فافهم ۱۲ جامع

---

(۱) امثالہا میں ہائے ضمیر حسنہ کی طرف لوٹ رہی ہے (۲) اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ جو نیکیاں بڑھا دی گئیں وہ ان نیکیوں سے افضل ہیں جو اس نے کی تھیں اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جو جزا دی گئی ہے وہ عمل سے افضل ہے (۳) بطور دلیل نہیں بلکہ اس کی تائید میں عرض کرتا ہوں (۴) الفرقان آیت ۷۰ اللہ ایسے لوگوں کے گناہوں کی جگہ نیکیاں عنایت فرمادے گا (۵) گناہوں (۶) نیکیاں (۷) جو حکم مطابق ادا نہیں کیں (۸) گناہ (۹) گناہوں کے عوض نیکیاں ملنا کیا مشکل ہے

سو یہاں پر ان اعمال ناقصہ کے عوض اعمال کاملہ عطا ہونا مذکور ہے۔ اسی طرح فلہ خیر منہا میں بھی حسنہ ناقصہ قلیلہ کے عوض میں ایسے اعمال جو اس سے خیر ہوں عطا ہونا مراد ہو سکتا ہے پس اس سے بھی تائید دعوے مذکورہ کی ہوگئی پس اجزاء کاعمل سے اعلیٰ وافضل ہونا ثابت نہیں ہوتا اور حق تعالیٰ نے حکمت کو جو خیر کثیر ارشاد فرمایا ہے اور کثیر کی کوئی حد نہیں فرمائی سو اول تو حق تعالیٰ جس چیز کو کثیر فرمادیں اس کی کثرت ظاہر ہے کہ کس درجہ کی ہوگی پھر اس کثیر کو بھی جب کسی حد سے مقید و محدود نہیں فرمایا بلکہ مطلق رکھا پس یہ کثرت نہایت ہی عظیم الشان کثرت ہوگی۔ حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اس آیت میں حکمت یعنی علم دین کو ان مبالغات کے ساتھ خیر کثیر کے لقب سے ملقب فرمایا ہے یہ مضمون ایک مقدمہ ہے جو قرآن مجید سے ماخوذ ہے۔

خیر و شر کی بنیاد رکھنے والوں کا حکم

اور دوسرا مقدمہ حدیث شریف سے اخذ کر کے بیان کرتا ہوں اور چونکہ قرآن مجید وحدیث شریف دونوں ادلہ شرعیہ میں سے ہیں اس لئے ہم کو اختیار ہے کہ خواہ دونوں مقدموں کی حدیث وقرآن پر زلیغ کردیں یا دونوں کو صرف قرآن مجید یا فقط حدیث شریف سے اخذ کرلیں وہ حدیث یہ ہے فطوبی لعبد جعل اللہ مفتاحا للخیر مغلاقا للشر و ویل لعبد جعلہ اللہ مفتاحا للشر مغلاقا للخیر (اخرج ابن ماجہ وفی سندہ عبد الرحمن بن زید هو ضعیف ولیحق بقیۃ سندہ قالہ الجامع) یعنی خوشحالی اور خوبی ہے اس شخص کیلئے اللہ نے بھلائی اور نیکی کی کنجی بنایا(1) اور شر کا قفل(2) بنایا اور خرابی ہے اس

---

(1) چابی (2) تالا

کیلئے جس کو حق تعالیٰ نے شر کی کنجی اور خیر کا قفل بنایا الخ۔ کنجی کی خاصیت ہے کھولنا، اور تالے کی خاصیت ہے بند کرنا، اب یہ شبہ رہا کہ کنجی تو تالا کھولتے اور بند کرتے وقت دونوں جگہ استعمال کی جاتی ہے کیونکہ اصل حاجت کنجی کی ہے اور خاصیت اس کی یہی ہے کہ تالا کھولتے وقت استعمال کی جاوے گو بند کرتے وقت عارضی طور پر کبھی اس کی حاجت ہو جاتی ہے جبکہ وہ تالا ایسا ہو جو بغیر کنجی کے بند نہ ہو سکے بعض قفل بغیر کنجی کے بند ہو جاتے ہیں لیکن بغیر کنجی کے کھلتا کوئی نہیں۔ حاصل یہ ہے کہ جس شخص سے امر خیر کا افتتاح ہو اور شر کا انسداد ہو اس کیلئے خوشحالی ہے۔ (کہ دارین میں رحمت خداوندی سے مشرف رہے گا قالہ الجامع) اور جس کے ذریعے سے خیر کا انسداد اور شر کا افتتاح(١) ہو اس کیلئے بدحالی ہے (کہ دونوں جہان میں رحمت الٰہیہ سے بعید اور مردود رہے گا قالہ الجامع)(٢)

دنیا میں بری چیزوں کا وجود حکمت پر مبنی ہے

گو کارخانہ تکوین کے اعتبار سے بدحالی والے کا بھی وجود مصلحت ہے کہ عمارت عالم بغیر اس کے درست نہیں ہوتی فان الاشیاء تعرف باضدادھا جیسے کہ باغ انبہ وغیرہ طرح طرح کے عمدہ درخت ہوتے ہیں مگر باڑھ کیکر کے درختوں کی لگائی جاتی ہے۔ ولقد اجاد العارف الشیرازی فیما قال۔

در کارخانہ عشق از کفر ناگزیر ست　　آتش کرا بسوزد گر بولہب نباشد

(١) خیر کا راستہ بند اور شر کا راستہ کھل جائے (٢) جملہ وعظ لکھنے والے مولانا احمد حسن صاحب نے کہا ہے

(کارخانہ عشق میں کفر کا وجود بھی ضروری تھا ورنہ آگ کس کو جلاتی اگر ابولہب نہ ہوتا)

یعنی کفر کی نسبت حق تعالی کی ایجاد کیساتھ حکمت پر مبنی ہے، حق تعالی کا شکر ہے کہ جس نے اپنی رحمت سے ہم سب کو ایمان کی دولت سے نوازا، دیکھو مکان تیار کیا جاتا ہے اسمیں شہ نشین (۱) بھی ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ وہ کس قدر نفیس اور باوقعت شے ہے اور پاخانہ بھی ہوتا ہے حالانکہ وہ نفرت کی چیز ہے مگر چونکہ ایک درجہ میں اس کی بھی ضرورت ہے اس لئے بغیر اس نفرت کی چیز کے مکان کی عمارت کامل نہیں ہوتی اور ناقص رہتی ہے۔ اسی طرح تعمیر عالم اور اس کی تکمیل کیلئے بری چیزوں کا وجود بھی ضرور ہے لیکن یہ خیال رہے کہ یہ حکمت برائی کے ارتکاب کیلئے عذر نہیں ہوسکتی کیونکہ برائی کرنیوالے اپنے اختیار سے عصیان خداوندی کا مرتکب ہوتا ہے اور وہ اس کارخانہ کا داروغہ نہیں ہے جو وہ اپنے کو اس کام کیلئے منتخب کرے لہذا وہ معذور نہیں ہے۔ یہ حکمت تو خلق خداوندی کے اعتبار سے ہے نہ کہ کسب عباد کے اعتبار سے۔

لوگوں کی اقسام

اب یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ حدیث میں لوگوں کی دو قسمیں ذکر کی گئی ہیں اور ظاہر عنوان سے ان میں انحصار معلوم ہوتا ہے کہ کوئی تیسری قسم نہیں ہے لیکن بظاہر شبہ ہوتا ہے کہ اور قسمیں بھی نکلتی ہیں اور استیعاب اقسام کا یہ ہے۔ اول خیر کا مفتاح ہونا شر کا مغلاق ہونا (۲)۔ ثانی خیر کا مغلاق ہونا شر کا مفتاح ہونا (۳)۔ اور یہ دو

---

(۱) بادشاہ کے بیٹھنے کی جگہ یعنی تخت شاہی (۲) خیر کو کھولنے والا شر کو بند کرنے والا (۳) دوسری قسم خیر کو بند کرنے والا ہو اور شر کو کھولنے والا

قسمیں تو حدیث میں مذکور ہیں۔ ثالث (۱) خیر کا مفتاح ہونا شر کا مغلاق نہ ہونا۔ رابع شر کا مفتاح ہونا خیر کا مغلاق نہ ہونا (۲) خامس خیر کا مفتاح نہ ہونا شر کا مغلاق ہونا (۳)۔ سادس شر کا مفتاح نہ ہونا خیر کا مغلاق ہونا (۴)۔ سابع خیر وشر دونوں کا مفتاح ہونا خیر و شر دونوں کا مغلاق ہونا (۵)۔ ثامن دونوں کا مفتاح ومغلاق نہ ہونا (۶)۔

پس یہ تمام اقسام حدیث میں ظاہراً مذکور نہیں حقیقۃً حدیث ہی کے تحت میں داخل ہیں اسلئے انحصار منقوض نہیں ہوتا اور دخول کی یہ صورت ہے کہ خیر وشر باہم ایسے مقابل ہیں کہ ایک کا فتح دوسرے کے غلق کو اور ہر ایک کا غلق دوسرے کے فتح کو مستلزم (۷) ہے۔ جب یہ سمجھ میں آ گیا تو حدیث میں غور فرمائیے جب کوئی شخص مفتاح خیر ہوگا۔ تو اس کیلئے مغلاق شر (۸) ہونا لازم ہے کیونکہ اس خیر کی فتح نہ ہوتی تو ایک شر جو اس کا مقابل ہے باقی رہتا اب فتح خیر سے اس شر کا انسداد (۹) ہو گیا۔

پس قسم ثالث متحقق نہیں اسی طرح جو شر کا مفتاح ہوگا اس کیلئے اس کا مغلاق ہونا جو اس شر کے مقابل ہے لازم ہے پس قسم رابع کوئی قسم نہ ہوئی اسی طرح جو مغلاق شر ہوگا اس کے لئے مفتاح خیر ہونا لازم ہے کیونکہ شر کا بند کرنا یہ بھی ایک خیر ہے پس قسم خامس مقدم ہوگئی اسی طرح جو خیر کا مغلاق (۱۰) ہوگا وہ مفتاح شر ضرور ہوگا پس قسم

---

(۱) تیسری قسم خیر کو کھولنے والا ہو اور شر کو بند کرنے والا نہ ہو (۲) چوتھی قسم شر کو کھولنے والا ہو خیر کو بند کرنے والا نہ ہو (۳) پانچویں قسم خیر کو کھولنے والا نہ ہو شر کو بند کرنے والا ہو (۴) چھٹی قسم شر کو کھولنے والا نہ ہو خیر کو بند کرنے والا ہو (۵) ساتویں قسم خیر وشر دونوں کو کھولنے والا بھی اور دونوں کا بند کرنے والا بھی ہو (۶) آٹھویں قسم خیر وشر دونوں کا نہ کھولنے والا ہو نہ بند کرنے والا ہو۔ (۷) خیر وشر میں ایسی نسبت ہے کہ ایک کا کھولنا دوسرے کے بند کرنے کو لازم ہے (۸) جو شخص خیر کو کھولنے والا ہوگا وہ شر کو ضرور بند کرنے والا شمار ہوگا (۹) سد باب (۱۰) بند کرنے والا

سادس نہ رہی اور جو دونوں کا مغلاق ہے وہ مختلف خیر وشر کے اعتبار سے مفتاح خیر بھی ہے اور مغلاق شر بھی ہے اسی طرح وہ مغلاق خیر بھی ہے اور مفتاح شر بھی پس قسم سابع بھی ان ہی دو قسموں میں داخل ہے اور خیر وشر دونوں کا مفتاح و مغلاق نہ ہونا اسکے لئے بھی فتح خیر اور سد شر اور فتح شر اور سد خیر لازم (۱) ہے۔

پس قسم ثامن بھی ان ہی دو قسموں میں داخل ہوتی غرض حدیث میں انحصار ہے اب ہر شخص دیکھ لیوے کہ میں مفتاح خیر اور مغلاق شر ہوں یا اس کا عکس۔ اور بعضے لوگ صرف اسباب پر خوش نہ ہوں کہ اگر ہم مفتاح خیر نہیں ہیں تو مفتاح شر بھی نہیں ہیں نہ اچھے کی مدد کرتے ہیں نہ برے کی مدد کرتے ہیں کیونکہ اوپر معلوم ہو چکا ہے مفتاح خیر نہ ہونے کیلئے مفتاح شر ہونا لازم ہے۔ اسلئے کہ جب تم خیر کو نہ کھولو گے تو ظاہر ہے کہ خیر بند ہوگا۔ اور خیر کا بند رکھنا شر کا کھولنا ہے خیر کا نہ کھولنے والا اضطراراً (۲) شر کا کھولنے والا ہو جاتا ہے۔ لہذا ذیل کی وعید میں ایسا شخص بھی داخل ہوگا سو ہر شخص کو مفتاح خیر ہونے کی سعی (۳) کرنا چاہئے۔

علم دین کی خدمت کرنے والوں کیلئے خوشخبری

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حدیث میں حکم مذکور ہر خیر، شر کیلئے عام ہے اور پہلی تقریر سے معلوم ہو چکا ہے کہ علم دین بہت بڑی خیر ہے تو خواہ اس خیر کو عموم حدیث میں داخل ہونے کے بعد حدیث کا احق مصداق کہا جاوے یا خیر سے خیر کامل مراد لے کر حدیث کو علم دین ہی پر محمول کیا جاوے غرض دونوں صورتوں میں علم دین کی خدمت

---

(۱) خیر کا کھولنا اور شر کا روکنا اور شر کا کھولنا اور خیر سے روکنا (۲) غیر اختیاری طور پر (۳) ہر شخص کو خیر کے دروازے کھولنے کی کوشش کرنی چاہئے

کرنے والے کیلئے حدیث میں خوشحالی کی بشارت ہے اور اس میں حصہ نہ لینے والے کیلئے وعید ہے اور حدیث شریف گو بظاہر کلام ہے جناب سید عالم ﷺ کا لیکن حقیقت میں وہ کلام ہے حق تعالیٰ کا کیونکہ آپ اپنی طرف سے تھوڑا ہی احکام بیان فرماتے تھے جو کچھ فرماتے تھے سب حق تعالیٰ کا ارشاد ہوتا تھا۔ قال تعالیٰ ما ینطق عن الھوی ☆ ان ھو الا وحی یوحی (۱) و صدق من قال (۲)

گفتہ او گفتہ اللہ بود گر چہ از حلقوم عبداللہ بود

(ان کا کہا ہوا ارشادات حق ہوتے ہیں گر چہ وحی الٰہی زبان رسالت ہی سے ادا ہوتی ہے۔)

دونوں مقدموں کا نتیجہ یہ ہے کہ فاتح علم خیر کیلئے خوش حالی کی بشارت ہے اور اس کی فتح میں سعی نہ کرنے والے کیلئے وعید ہے اور اسی نتیجہ کیلئے میں نے تقریر کی تھی گو درمیان میں مضامین علیہ بھی آگئے کیونکہ جو مضمون جس نوع کا ہوتا ہے وہ تو اسی شرح سے ادا ہو سکتا ہے مگر مضائقہ نہیں اسلئے کہ اصل مضمون جتنا ہے اسکو سب ہی سمجھ گئے ہیں اب آپ خدا تعالیٰ کا شکر کیجئے کہ الحمدللہ حق تعالیٰ نے آپ کو یہ موقع عطا فرمایا کہ ایسے کار خیر میں شرکت اور اس کا افتتاح آپ کے ہاتھ سے ہوا اور آپ اس کام کو چھوٹا سا کام سمجھ کر اس کو بے وقعتی کی نظر سے نہ دیکھیں۔

اخلاص کی برکت

کیونکہ خلوص کے ساتھ چھوٹا سا کام بھی بہت بڑا ہو جاتا ہے جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اے عائشہؓ کسی نیکی کو حقیر نہ سمجھو وجہ یہ کہ کیا خبر ہے اللہ تعالیٰ کے

---

(۱) النجم آیت نمبر ۳،۴: نہ آپ اپنی نفسانی خواہش سے باتیں بناتے ان کا ارشاد نری وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے (۲) جس نے بھی کہا سچ کہا

یہاں معمولی نیکی کا وہ درجہ خلوص کے سبب عطا ہو جاوے جو بڑی نیکی سے بھی بوجہ کسی عارض عدم خلوص (۱) وغیرہ کے نہ عطا ہوتا اور سمجھ لیجئے کہ دینی کاموں میں خلوص کی حاجت تو فلوص سے بہت زیادہ ہے۔

اکثر لوگوں کو مدارس کے مقاصد میں فلوس (۲) کی طرف زیادہ نظر ہو جاتی ہے اور خلوص کا اس قدر اہتمام (۳) نہیں ہوتا حالانکہ فلوس تو خود آ جاتے ہیں کیونکہ اس کام کا رحمت اور خیر ہونا تو معلوم ہو چکا اور جو خیر من جانب اللہ مفتوح ہوتی ہے جس میں بڑا دخل خلوص کو ہے اور اسکا کوئی روکنے والا نہیں چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ما یفتح اللہ للناس من رحمت فلا ممسک لھا وما یمسک فلا مرسل لہ من بعدہ (۴)

(یعنی جو رحمت اللہ تعالیٰ عطا فرما دیں اس کو کوئی بند کرنیوالا نہیں اور جس رحمت کو وہ روک لیں اس کو کوئی دینے والا نہیں) لہذا بھروسہ حق تعالیٰ کی ذات پر ہونا چاہئے۔ جتنے کارخانے خلوص پر مبنی ہوئے ہیں ان سب میں ترقی ہوئی ہے۔

خود اصل دین کی حالت کو ملاحظہ فرمایئے کہ ابتدا اس کی کیا تھی تمام عالم مخالف تھا اور بات بھی جانب رسول اللہ ﷺ نے ایسی ہی ارشاد فرمائی تھی جو سارے جہان کے خلاف تھی اور یہی وجہ مخالفت کی تھی ورنہ قبل دعوی نبوت تو لوگ آپ کو بہت چاہتے تھے۔ مگر باوجود اس مخالفت کے دیکھئے اسلام کہاں سے کہاں پہنچا۔ پس یہ برکت محض اخلاص کی تھی۔

---

(۱) کوئی ایسی بات جو اس بڑے کام میں پیش آ کر اسکو بیکار کر دے مثلاً خلوص کا نہ ہونا (۲) پیسوں (۳) نیک نیتی کا اہتمام نہیں ہوتا۔ (۴) فاطر آیت نمبر ۲

اولین مؤمنین

ورنہ ظاہر ہے کہ اسلام کے پاس اس وقت کہاں کا لشکر تھا اس وقت یہ چند حضرات مسلمان تھے عورتوں میں حضرت سیدتنا خدیجہؓ سب سے پہلے ایمان لائیں، لڑکوں میں سب سے پہلے حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ، غلاموں میں حضرت سیدنا بلالؓ، بوڑھوں میں حضرت امام الامۃ مقدم الملۃ افضل اولیاء الامم اعظم الاتقیا الملل سیدنا ومولانا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ (۱) ایمان لائے۔ یہ اسلامی کمیٹی تھی اور ایمانی لشکر تھا جس نے ساری دنیا کو زیروزبر کردیا سلطنت کا انتظام بہت بڑی قوت پر مبنی ہوتا ہے یہاں کونسی قوت تھی۔ صرف اخلاص کی برکت تھی کون خیال کرسکتا تھا کہ یہ سلطنت عالمگیر ہوجاوے گی۔

اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا

اور بعضے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے چلا ہے سو اول تو یہ مسلم نہیں ہے اور علی تقدیر التسلیم صرف تلوار سے تو کام بھی نہیں چلتا تلوار کیلئے کوئی اس کا چلانے والا بھی تو ہونا ضروری ہے حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ یہی فرمایا کرتے تھے کہ میاں تلوار کیلئے کوئی تلوار چلانے والا بھی تو ہونا ضرور ہے اور وہ چلانے والے کہاں سے آئے وہ مجمع کس نے پیدا کردیا۔

---

(۱) پوری امت کے امام، پوری ملت میں سب پر سبقت لیجانے والے ساری امتوں کے اولیاء میں سب سے افضل ساری ملتوں کے متقیوں میں سب سے بڑے، ہمارے سردار آقا ابوبکر صدیق ہیں اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی

یہ سب خلوص کی برکت سے حق تعالیٰ نے پیدا فرمادیا اور یہ بات کہ تلوار سے اسلام کی اشاعت ہوئی ہے وہ شخص کہہ سکتا ہے جو تاریخ سے بالکل ناواقف ہو دیکھو ابتداً کبھی تلوار نہیں چلائی گئی بلکہ پہلے یہ کہا گیا کہ اسلام لاؤ یا اہل اسلام کی اطاعت قبول کرو اور جو دونوں امر منظور نہ ہوں تو پھر تلوار ہے۔ پھر قبول اطاعت کا قانون ایسا وسیع ہے کہ ظاہراً اسلام کیلئے نہایت خطرناک تھا کیونکہ کبھی اطاعت تلبیلس (۱) سے بھی ہوتی ہے ظاہر میں اقرار کرلیا کہ ہم اطاعت قبول کرتے ہیں پھر دھوکہ دیدیا جب موقع پایا لیکن اس خطرہ کی پرواہ نہیں کی گئی کیونکہ کام کرنے والا حقیقت میں خدائے تعالیٰ ہے۔ کما قال یریدون ان یطفؤ انور اللہ بافواھھم ویابی اللہ الا ان یتم نورہ ولو کرہ الکافرون۔(۲)

چراغے را کہ ایزد بر فروزد ہر آنکس تف زند ریشش بسوزد

(جس چراغ کو حق تعالیٰ روشن کرنا چاہتے ہیں اس کو جو بھی بجھانا چاہتا ہے اس کی ہی داڑھی کو جلادیتے ہیں)

اور ایسے خطرات پیش بھی آئے مگر پھر بھی جو قانون مقرر کردیا گیا وہ برابر جما رہا قیامت تک وہی رہے گا اہل سلطنت کے قوانین میں تھوڑی تھوڑی مصلحت کیلئے تغیر کیا جاتا ہے اور یہاں ایسے ایسے خطرناک قوانین کو بھی استقامت دی گئی سبحانہ ما اعظم شانہ ولہ الکبریاء فی السموات والارض (۳)۔ صاحبو تلوار اخیر درجہ میں اٹھائی گئی جب دونوں شقیں منظور نہ کیں نہ اسلام لائے نہ اطاعت قبول کی

---

(۱) دھوکے (۲) التوبۃ آیت نمبر ۳۲ وہ لوگ یوں چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھادیں حالانکہ اللہ تعالیٰ بدوں اس کے کہ اپنے نور کو کمال تک پہنچادے مانے گا نہیں گو کافر لوگ کیسے ہی ناخوش ہوں (۳) پاک ہے وہ اور کتنی بڑی ہے اس کی شان زمین وآسمان کی بڑائی اسی کے لئے ہے

اور یہ تلوار اٹھانا بھی اس اضطرار کی وجہ سے تھا کہ بغیر اس کے مخالفین کے شر سے محفوظ رہنا ممکن نہ تھا۔ اور بدون اطاعت (۱) کے محض صلح کی حالت کا اقرار امن وامان کا کہ وہ اہل اسلام کو ضرر نہ پہنچاویں گے موجب اطمینان نہ تھا لہذا ضرور تھا کہ انسداد شر باضابطہ (۲) ہوتا کہ اس سے محفوظ رہ کر حق تعالیٰ کی اطاعت اطمینان کے ساتھ ہو سکے اور اس ضابطہ کی صرف یہی صورتیں ہیں کہ یا تو مخالفین اسلام لاویں یا باضابطہ اطاعت اسلام قبول کریں اور جو یہ دونوں صورتیں نہ ہوں تو مجبوری کو مقاتلہ (۳) سے کام لیا جاوے خود قرآن مجید بتلا رہا ہے کہ صرف فتنہ فرو کرنے کیلئے تلوار کی اجازت دی گئی ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں حتی لا تکون فتنة و یکون الدین کلہ للہ (۴)

اسلام کا عظیم قانون

اور پھر عین اس مقاتلہ (۵) میں بھی ایسا قانون مقرر کیا جس میں مخالفین کو خداع (۶) کا بہت بڑا موقع تھا مگر مسلمانوں کو اس شبہ کی گنجائش نہیں دی گئی کہ شاید مخالفین نے دھوکہ دیا ہو اگر کسی اور ملت و دین میں یہ قانون ہوتا تو وہ ملت ہرگز ترقی نہ کر سکتی اور جس کا جی چاہے اب بھی کوئی ملت یہ قانون مقرر کر کے دیکھ لے ہرگز ہرگز ترقی نہ کر سکے گی یہ صدق اسلامی ہی کی برکت ہے کہ باوجود ایسے وسیع قانون کے پھر بھی اسلام نے ترقی کی۔ وہ قانون یہ ہے کہ اگر کسی کافر پر تلوار اٹھائی ہو اور کافر بھی وہ جس کے ہاتھ سے اس تلوار اٹھانے والے کے تمام خاندان والے مسلمان قتل ہو چکے تھے اور اسنے عین اس حالت میں کلمہ پڑھ لیا تو حکم ہے کہ فوراً ہاتھ روک لو اور اگر اس

---

(۱) بغیر فرمانبرداری (۲) برائی کو ایک ضابطہ کے تحت روکا جائے (۳) جہاد۔ (۴) سورۃ الانفال آیت ۳۹ اس حد تک کہ ان میں فساد عقیدہ نہ رہے اور دین اللہ ہی کا ہو جائے (۵) عین لڑائی کے وقت (۶) دھوکہ دینے کا۔

نے اس طور پر اپنی جان کی حفاظت کر لی اور اگلے دن اس نے دھوکا دیا اور پھر ایسا ہی کیا پھر بھی اسلامی قانون یہی رہا کہ جب کوئی کلمہ پڑھ لے اس سے درگزر کرو اور مسلمانوں جیسا برتاؤ اس کے ساتھ کرو گو وہ پھر دھوکہ ہی کیوں نہ دیدے تم کو شبہ کرنے کا حق نہیں ہے کہ خلوص سے ایمان لایا یا عدم خلوص سے۔

یہ تو ایسی وسعت ہے کہ لوگ جب چاہیں مسلمانوں کا قلع قمع کر دیں لیکن اسلام کے صدق کی قوت ہے کہ باوجود ایسا موقع ملنے کے بھی مخالف لوگ اسلام کی قوت کو نہ توڑ سکے اور صحابہ میں یہی خلوص تھا اور صدق تھا جس کیوجہ سے اسلام کو ترقی ہوئی غرض یہ ہے کہ خلوص سے کام کرنا چاہئے فلوس کی زیادہ فکر نہ کرو مشہور مثل ہے سر سلامت چاہئے ٹوپیاں بہت۔

اخلاص اور پیسہ کی مثال

خلوص و فلوس کی ایک لطیفہ مثال ذہن میں آئی جو حضرت حاجی صاحب قدس سرہ نے ارشاد فرمائی تھی۔ کہ ایک جانور اڑا جا رہا ہے اور اس کے سایہ کا شکاری شکار کرنا چاہتا ہے تو خود سایہ کو کوئی پکڑنا چاہے ہاتھ نہ آوے گا۔ اس کے شکار کرنے کی صرف یہی تدبیر ہے کہ خود اس جانور کے تیر لگاؤ اور سایہ اس کی ہمراہ خود آ جاوے گا اور اس طرح آوے گا کہ تم علیحدہ کرنا چاہو گیا اور وہ جدا نہ ہوگا حدیث میں ہے اتتہ الدنیا وھی راغمۃ یعنی ایسے لوگوں کے پاس دنیا ذلیل ہو کر آتی ہے اور اس کی مثال ایسی سمجھو کہ جیسے فواحش عورتیں مستغنی(۱) کے پیچھے پڑ جاتی ہیں اور چاہنے والے سے ناز و نخرہ کرتی ہیں حضرت حاجی صاحب یہ بھی فرماتے تھے کہ جو طالب دنیا ہونا

---

(۱) فاحشہ عورتیں جو ان سے بے نیاز ہو اس کے پیچھے پڑتی ہیں

چاہے وہ تارک دنیا ہو جاوے ۔ مگر یہ یاد رہے کہ جو اخلاص سے حق تعالیٰ کی رضا کیلئے ترک دنیا کرتا ہے اس کے پیچھے دنیا پڑتی ہے اور جو محض نقل ہی کرے اور تحصیل دنیا کی ایک تدبیر ترک دنیا کو سمجھے اور اس کو عمل میں لاوے تو چونکہ وہ سچا تارک نہیں اس لئے ثمرہ بھی اس کی اس تدبیر پر مترتب نہ ہوگا اور اگر تارک حقیقی ہے تو اس کے لئے حق تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اتقیاء کو راحت وچین مرحمت فرماتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے من یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب مشاہدہ کر لیجئے ہر زمانہ میں ایسے لوگ رہتے ہیں۔

دین کا کام کرنے والوں کو استغناء اختیار کرنا چاہئے

کاندھلے میں جب میں نے اسی تقریب سے جو یہاں ہے بیان کیا تھا تو اس میں یہ بھی کہا تھا کہ صاحبو کام شروع کرو روپیہ خود آجائے گا۔ کام کے اندر مقناطیس جیسی خاصیت ہے جیسے وہ لوہے کو کھینچتا ہے اسی طرح کار خیر زر کو کھینچتا ہے ہاں اخلاص اور استعانت من اللہ (۱) کی حاجت ہے مقناطیس کامل ہو اور اسکے پاس لوہا خود آجاوے گا اس کو لوہے کے پاس جانیکی کیا حاجت ہے اہل اللہ سلطنت پر لات مار دیتے ہیں مگر پھر بھی دنیا ان کیطرف گرتی ہے اور استغنا حقیقی تو بڑی چیز ہے اس کی نقل میں بھی کشش ہوتی ہے۔

ایک شخص میری یہ تقریر سن کر میرے ایک عزیز سے میرے متعلق بطور اعتراض کہنے لگے ان کا یہ استغنا بھی ایک تدبیر ہے تحصیل دنیا کی اور یہ ان کی واقع میں غلطی تھی جو مجھے مستغنی سمجھتے تھے میں تو دنیا داروں سے بھی بدتر ہوں خیر میں نے

(۱) اخلاص اور اللہ کی مدد کی ضرورت ہے۔

جب یہ حکایت سنی تو ضابطہ کا جواب دے دیا کہ بھائی میں نے کب دعوی کیا تھا کہ میں مستغنی ہوں۔اور میرے اندر جو یہ عیب ہے تو دعا کرو کہ اللہ تعالی اس سے مجھے پاک فرمادے میں نے تو صرف یہی ضابطہ کا جواب دیا لیکن ان عزیز نے یہ جواب دیا کہ صاحبو اگر یہ طرز بطور تدبیر کے ہوتا تو ظاہر ہے ایسی تدبیر کو تو لوگ چھپایا کرتے ہیں تا کہ دوسرے اس سے مال نہ حاصل کرلیں اور یہ شخص تو برسر منبر اس کو بیان کرتا ہے کہ اہل علم کو استغناء اختیار کرنا چاہئے دنیا خود ان کے پیچھے دوڑے گی اس سے معلوم ہوا کہ بہ نیت تدبیر یہ طرز اختیار نہیں کیا مگر سچا جواب تو وہی ہے جو میں نے دیا غرض کار خیر کے اندر خاص کشش ہے گو کار خیر کی نقل ہی ہو پھر اصل ہو جاوے تو کیا ٹھیک ہے قال العارف الرومی۔(۱)

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند　　　صاف گر باشد ندانم چوں کند

(جرعہ خاک آمیز جب مجنوں کرتا ہے تو اگر صاف ہو تو نہ جانے کیا اثر دکھائے گا)

یعنی ایسی شراب جس میں مٹی ملی ہو اس درجہ کا نشہ لاتی ہے کہ آدمی مجنوں ہو جاتا ہے اگر وہ صاف ہو تو خدا جانے کیا غضب برپا کرے۔

اخلاص سے عمل بڑھتا ہے

غرض خلوص کو اختیار کرنا چاہئے عمل بڑھے گا جیسے کہ رائی کا ایک دانہ بویا جاتا ہے پھر اس سے کس قدر ترقی ہوتی ہے مثل ضرب حسابی کے بڑھتا چلا جاتا ہے۔جیسے اگر برگد کے درخت کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا جاوے اور اس کی داڑھی نہ کاٹی جاوے تو

(۱) عارف رومی نے فرمایا

اس قدر پھیلے کہ ساری کمشنری میں بھی نہ سماوے۔دیکھواس ننھے سے رائی کے دانہ کی بدولت کس قدر ترقی ہوئی اسی طرح اگر لوگ خلوص سے جو نیک کام بھی شروع کریں وہ ترقی پذیر ہوگا اور برابر ترقی جاری رہے گی ہاں اگر درمیان میں خلوص کا سلسلہ ٹوٹ جاوے اور اس کی وجہ سے ترقی کا راہ مسدود ہو جاوے یہ دوسری بات ہے اور اپنی کوتاہی ہے۔

مدارس دینیہ حیات قلب کا ذریعہ ہیں

آج حق تعالی نے بناء مدرسہ کی آپ کو توفیق عطا فرمائی خلوص کے ساتھ شکر یہ کیجئے قولاً بھی اور عملاً بھی کہ اس کی خدمت میں سعی کیجئے اس شکر سے نعمت بڑھے گی حق تعالی فرماتے ہیں 'لئن شکرتم لازیدنکم'(۱) یعنی اگر تم شکر کرو گے تو ہم زیادہ عطا فرمادیں گے۔

اس قصبے میں مدرسہ کی ضرورت بھی تھی گو آس پاس مدارس دینیہ موجود ہیں لیکن علم دین کے انتظام کی تو ہر جگہ ہی حاجت ہے اور اگر قرب و جوار کے مدارس اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے کافی ہیں تو جلال آباد میں کنوؤں کی بھی حاجت نہ ہونا چاہئے قرب و جوار میں کنویں بہت ہیں تھانہ بھون کے کنوؤں سے پانی منگالیا کرو۔مگر یہ کسی کو گوارا نہیں اور نہ اس طرح کام چل سکتا ہے بلکہ لوگ تو کنوؤں کو اس کثرت سے بنانا چاہتے ہیں کہ ہر گھر میں کنواں ہو جاوے تو اچھا ہے۔

صاحبو جیسے جسم کی زندگی پانی سے ہے اسی طرح دل کی حیات علم دین سے ہے اگر تنافس (۲) نہ ہوتا تو میں تو یہ رائے دیتا کہ ہر ہر محلّہ میں مدرسہ ہونا چاہئے مگر

(۱) سورۃ ابراہیم آیت نمبر ۷ (۲) ایک دوسرے سے بڑھنے کی فکر اور مخالفت

آجکل تعداد مدارس کا نتیجہ تجربہ سے یہ معلوم ہوا ہے کہ باہم منافست اور مخالفت (۱) پیدا ہو جاتی ہے مدرسہ کے نام میں ہی آجکل یہ اثر ہو گیا ہے کہ متعدد مدارس ہوئے مخالفت رونما ہوئی ہاں جو مکتب یہاں پہلے سے ہیں ان میں یہ احتمال نہیں اور وجہ اس مخالفت کی صرف چندہ ہے مکاتیب میں چونکہ چندہ نہیں ہے اسلئے مخالفت بھی نہیں ہوتی اور مدارس میں چونکہ ہر مدرسہ کے مہتممین اور کارپرداز یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے مدرسہ کی طرف لوگوں کا زیادہ رجحان ہو اور اسی مدرسہ میں چندہ زیادہ آوے یہ تو خیال ہوتا نہیں کہ ہر مدرسہ خدائے تعالیٰ کا ہے جہاں جس کا جی چاہے دیوے ہم کو تزاحم (۲) سے کیا حق ہے سو اس وجہ سے مخالفت ہوتی ہے۔

مدرسہ کے چندے میں حضرت تھانوی کا طرز عمل

میں جب تھانہ بھون آکر بطریق استقلال (۳) رہا تو میری فرمائش تو تھی نہیں میرا تو صرف یہ قصد تھا کہ مجھ سے خود جس قدر علم دین کی خدمت ہو سکے گی کروں گا مگر لوگوں نے چندہ سے مدرسہ کی شکل بنائی چندہ ہوتے ہی تزاحم (۴) اور حکومت شروع ہوئی کوئی مدرس پر اعتراض کرتا ہے کوئی طلبہ پر حکومت کرتا ہے میں نے جو اس کے اسباب پر غور کیا تو ان تمام امور کی جڑ چندہ سمجھ آئی میں نے چندہ حذف کر دیا۔

جیسے کہ ایک مجذوب برہنہ پھرتے تھے مریدوں نے کپڑے بنا دیئے۔ کپڑوں کو چوہوں نے کتر لیا اس کلفت (۵) کے ازالہ کے لئے بلی پالی بلی کھانے خراب کرنے لگی تو کتا پالا وہ کھانوں کو ناپاک کرنے لگا تو آدمی مقرر کیا وہ آدمی مرغن

---

(۱) ایک دوسرے سے جھگڑا کرنا (۲) مخالفت (۳) مستقل رہائش اختیار کی (۴) مخالفت (۵) تکلیف کو دور

کھانے کھا کر مستانے لگا۔ادھر پھرنے لگا اسلئے اس کی شادی کر دی بیوی آئی بال بچے ہوئے شاہ صاحب آزاد منش تھے۔ان سب جھگڑوں کو دیکھ کر گھبرائے اور فرمانے لگے کہ ان سب جھگڑوں کی بنیاد لنگوٹا ہے اس کو اتار کر پھینک دیا۔

غرض میں نے چندہ موقوف کرادیا لیکن یہ نہیں کیا کہ کوئی مدرسہ کی اعانت خلوص سے کرے اسکو بھی اعانت کی اجازت نہ ہو بلکہ یہ اطلاع کرادی کہ اب یہ توکل کا مدرسہ ہے نہ روئداد ہوگی نہ حساب کتاب ہوگا نہ رسید ہوگی نہ باضابطہ قواعد مقرر ہوں گے جس کا جی چاہے اس میں اعانت (۱) کرے اور جس کا جی نہ چاہے نہ کرے۔اور جو کرے وہ اس شرف سے کہ اس کو اس قدر تحمل ہو کہ اگر میں ساری رقم اس کی خود بھی کھا جاؤں تو گوارا کرلے سو الحمد للہ کہ پہلے سے زیادہ آمدنی اور اطمینان ہے بعضے لوگوں نے کہا کہ اس طرح تم نے تو چلالیا۔مگر اور کسی سے نہ چل سکے گا۔میں کہتا ہوں کہ ہر وہ شخص چلالے گا جو خلوص سے اللہ تعالی کے بھروسے پر کام کرے گا۔اور اگر نہ بھی چلے تو چھوڑ دے میں نے بھی یہ ہی قصد کیا تھا کہ جتنا کام اپنی ذات سے ہوسکے گا کروں گا اس سے زیادہ اگر حق تعالی چاہیں گے تو کسی ذریعہ سے کرادیں گے ورنہ اس کے عدم ہی میں مصلحت سمجھوں گا۔(۲)

حدیث قدسی میں ہے انا عند ظن عبدی بی (اخرجه الشیخان والحاکم بسند صحیح) یعنی حق تعالی فرماتے ہیں میں بندہ کے

---

(۱) مدد (۲) اللہ تعالی نے اس چھوٹے سے قصبہ کے چھوٹے سے مدرسہ میں اس قدر علمی کام لیا کہ بڑی بڑی یونیورسٹیاں کرنے سے عاجز ہیں ایک ہزار سے زائد تو خود حضرت کی تصنیفات ہیں پھر اعلاء السنن ۱۸ جلدوں پر مشتمل عظیم کتاب کی تیاری اور احکام القرآن جیسی عظیم تفسیر کا کام بھی اسی خانقاہ امدادیہ کا کارنامہ ہے اور سینکڑوں افراد کی اصلاح باطن جیسی عظیم خدمات الگ ہیں یہ سب حضرت تھانوی کی اخلاص نیت کا ہی ثمرہ تھا۔

گمان کے پاس ہوں مطلب یہ ہے کہ اگر مجھ سے اچھا گمان رکھے گا تو میں بھی اچھا برتاؤ کروں گا اور جو بدگمانی کریگا تو اس کیساتھ ویسا ہی برتاؤ کیا جاوے گا سو جن لوگوں کا گمان یہ ہوتا ہے کہ حق تعالی کام چلائیں گے ان کے ساتھ ان کے گمان کے موافق برتاؤ کیا جاتا ہے اور جن کا یہ گمان ہوتا ہے کہ بغیر ظاہری سبب کے کام نہیں چل سکتا چور کا گمان ہے کہ بغیر چوری کے رزق نہیں ملتا تو اس کو بغیر اس فعل شنیع کے روزی نہیں ملتی اس کی پھٹی ہوئی جھولی ہے اس میں برکت نہیں ہوتی آتا تو ہے مگر نکل جاتا ہے۔

مسجد کی تعمیر کیلئے اپیل کا احسن طریقہ

دیکھئے اسٹیشن کی مسجد کی تعمیر میں کونسی لوٹ کھسوٹ ہوئی تھی کام دیکھ کر خود لوگوں کو رغبت ہوئی بھوپال معمولی طور پر ایک غیر آدمی کی طرف سے اطلاع دی گئی کہ نہ خط رجسٹری کرائی گئی نہ کوئی خاص اہتمام سفارش کا ہوا خصوصاً ایسے وقت میں کہ ولی عہد بیمار تھے اور اس وجہ سے بیگم صاحبہ کاروبار کی طرف پورے طور پر متوجہ بھی نہ ہوتی تھی مگر پھر خدا تعالی نے ان کو متوجہ کر دیا اور خط کے جواب میں انھوں نے تخمینہ دریافت کیا تخمینہ بھی پورا پورا لکھ دیا گیا بڑھا کر نہیں لکھا گیا اسی وجہ سے اخیر میں کمی پڑی لوگوں نے کہا کہ تعمیر کے کام میں اندازہ سے زیادہ صرف ہوتا ہے اس لئے تخمینہ زیادہ لکھنا چاہئے میں نے کہا کہ واہیات بات ہے ہرگز ایسا نہیں کرنا چاہئے غرض وہاں سے اعانت ہوئی پھر کمی پڑی پھر اطلاع دی گئی اس طریق سے کہ آپ سے یہ درخواست نہیں ہے کہ آپ اس کام کی تکمیل کرائیں بلکہ اس غرض سے اطلاع دی جاتی ہے کہ

کام ناتمام ہے شاید آپ مطلع ہو کر شکایت فرمادیں کہ ہم کو کیوں نہیں خبر دی ہم اس کو پورا کر دیتے انھوں نے اس درخواست پر بھی بقدر تکمیل مدد فرمائی اور کچھ متفرق لوگوں نے اعانت کی غرض سب کام اسی طرح ہو گیا۔

غرض چندہ پر زور دینا سبب ہوتا ہے تحاسد وتنافس (۱) مدارس کا اور مدارس میں اکثر ایسا ہوتا ہے اس لئے میں ایک بستی میں تعدد کی رائے نہیں دیتا۔ ہاں تعدد مدارس وہاں مضر نہیں ہوتا جہاں حکومت کا اثر ہوتا ہے کیونکہ وہاں داعی ہی نہیں یعنی چندہ اور مانع موجود ہے۔

یعنی حکومت ایک طالب علم بخاری کہتے تھے کہ بخارہ میں ۳۶ مدرسے ہیں ہر مدرسہ میں پائیں باغ اور بڑے بڑے مکانات اور طلبہ کو باغوں کے میوے وغیر تصرف میں لانے کی بے تکلف اجازت ہے اور ان کا جیب خرچ مقرر ہے تو چونکہ وہاں حکومت اسلامیہ کے ماتحت مدارس ہیں اسلئے تنافس اور تخالف کا اثر نہیں اور میں نے چندہ پر زور ڈالنے سے منع کیا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں اس مدرسہ کی اعانت کو منع کرتا ہوں میں مناع للخیر (۲) نہیں ہوں لیکن متعارف درخواست نہیں کرتا ہوں ہاں عام ترغیب دلاتا ہوں لا یسئلون الناس الحافاً کے موافق درخواست ہے خوش قسمتی ہے آپ حضرات کو ایسا موقع میسر ہو گیا ہے اگر اور بھی کچھ نہ ہو سکے تو دعا ہی کر دیا کرو۔

لا خیل عندك تهديها ولا مال
فليسعد النطق ان لم يسعد الحال

---

(۱) مدرسے سے حسد ہونے (۲) خیر سے روکنے والا۔

(نہیں گھوڑا تمھارے پاس کہ تم ہدیہ کرو اور نہ مال ہے کہ اسے دو تو صرف زبان ہی سے موافقت کرو اگر تمہارا حال موافقت نہیں کرتا)

دعا بہت بڑی چیز ہے گو لوگ اس کو معمولی اور حقیر سمجھتے ہیں لیکن صرف اسی پر قناعت بھی نہ کیجئے بلکہ ہر طرح سے جو کچھ مدد ہو سکے فرمائیے اور اس مثل کے مصداق نہ ہو جئے (محبت رکھوں پاک، لینے دینے کے منہ میں خاک) گو بخیل کی (تبسم کے لہجہ میں ۱۲ جامع) دعا میں اس حیثیت سے زیادہ اثر کی امید ہے کہ وہاں خلوص زیادہ ہوتا ہے کیونکہ وہاں تو صرف دعا ہی دعا ہے اور کچھ ہے ہی نہیں مگر ایک دوسری حیثیت سے اور وہ حیثیت نحوست بخل ہے قبولیت دعا میں کمی ہو جاوے مگر خلوص تو بہت ہی ہوتا ہے اور عجب نہیں کہ خلوص کی برکت بخل کی نحوست پر غالب آجائے اور ضرورت اس کام کی آپ کو معلوم ہی ہو چکی۔

مدرس کے تین کام

جب تک حضرت قاری محمد علی خاں صاحب قدس سرہ یہاں تشریف فرما تھے تو اس قدر یہاں مدرسہ کی حاجت نہ تھی گو کسی درجہ میں جب بھی تھی اب کون ہے جس سے ضرورت کیوقت مسئلہ دریافت کیا جاوے۔ صرف کتابوں سے کام نہیں چل سکتا کیونکہ کتابوں کا پورے طور پر سمجھنا عالم کے سوا دوسرے کا کام نہیں ہے۔

کبھی کسی کی ہمت پڑی ہے کہ کتابوں سے مسہل(۱) دیکھ کر استعمال کیا ہو ہمیشہ طبیب ہی کی حاجت ہوتی ہے پھر جب طب جسمانی کیلئے صرف کتابیں کافی

(۱) دست آور دوا۔

نہیں سمجھی جاتیں تو تعجب ہے کہ طب روحانی کیلئے کیونکر کتابوں پر قناعت ہو جاتی ہے حالانکہ قلب کی اصلاح جسم کی اصلاح سے اہم اور اس سے زیادہ نازک ہے۔

لہذا یہاں مدرسہ میں ایک عالم کی حاجت ہے اور وہ عالم ایسے ہوں جن کی درسیات پوری ہو چکی ہوں اور ان کے متعلق تین کام ہونے چاہئیں ایک تو بچوں کا گھیرنا اور محبوس رکھنا تا کہ وہ آوارگی سے بچیں اور گو گھیر گھار سرکاری مدارس میں بھی ہو جاتی ہے۔

لیکن وہاں صرف علم معاش کی تعلیم ہوتی ہے علم معاد سے کوئی تعلق نہیں اس سے نفس کی اصلاح نہیں ہوتی اور میں علم معاش کا مخالف نہیں ہوں مگر مسلمان اس کو کیسے گوارا کر سکتا ہے کہ علم معاش کے اہتمام میں اپنی عمر تمام کر دے اور معاد سے بے بہرہ رہے کم سے کم علم معاد(۱) میں قرآن مجید اور اردو کے رسائل جن سے ضروری مسائل پر عبور ہو جاوے اتنا ہی پڑھو۔

اور دوسرا کام ان عالم کا یہ ہو کہ بوقت ضرورت مسائل بتلا دیں اور اس عالم کا متدین(۲) ہونا بھی ضرور ہے تا کہ جن مسائل کو کتاب کی مدد سے بھی نہ بتلا سکے ان کے پوچھنے کیلئے اپنے سے بڑے عالم کا پتہ بتلا دے اور نیم بڑا عالم اگر متدین ہو گا تب تو کام نہ کر سکے گا اور جو متدین نہ ہو گا تو جو چاہے گا بتلا دے گا صحیح وغلط کی پرواہ نہ کرے گا۔

تیسرا کام گاہے گاہے وعظ کہنا ہے کیونکہ تدریس سے تعلیم خاص حاصل ہوتی ہے اور وعظ تعلیم عام ہے اگر اسی طرح تھوڑے عرصہ تک کام چلتا رہا تو بہت سے

---

(۱) آخرت کے علم سے (۲) دیندار ہونا

فاسق متقی ہوجائیں گے بہت سے جاہل عالم ہوجاویں گے بہت سے ناواقف واقف ہوجائیں گے۔ بہت سے طلباء بڑے مدارس عربیہ میں داخل ہونے کے لائق ہوجاویں گے۔

اور تجربہ سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ جب تک مدرسہ کا مکان خاص نہ ہواس وقت تک اطمینان سے تعلیم نہیں ہوسکتی۔ مسجد میں اول تو تنخواہ دار کا پڑھانا فقہا نے مکروہ لکھا ہے دوسرے مسجد کا ادب ملحوظ رکھنا تدریس کی صورت میں دشوار ہے اور اگر مدرسہ کسی کی بیٹھک میں قائم کیا جائے تو اس کا استقرار (۱) دشوار ہے ممکن ہے کہ کسی وقت میں صاحب بیٹھک اہل مدرسہ کو وہاں سے اٹھادے نیز مسجد کی آبادی نمازیوں سے کافی ہوجاتی ہے طلبا پر موقوف نہیں اس لئے مسجد میں مدرسہ ہونے سے لوگوں کا خاص طور پر مدرسہ کی آبادی کا اہتمام نہیں ہوسکتا۔

مدرسہ مفتاح العلوم کا سنگ بنیاد

اور جب مدرسہ مستقل ہوگا تو اس وقت اسکی آبادی کا خیال ہوگا درجہ اس مدرسہ کا یہ ہوگا کہ عربی کی ابتدائی کتابوں تک تعلیم رہے گی جب طلبہ یہاں کی تعلیم سے فارغ ہوچکیں تو کسی بڑے مدرسہ میں داخل ہوجاویں یہاں تو مختصر ہی مدرسہ مناسب ہے خصوصا ابتدائی حالت میں۔

ایک اللہ کے بندے نے کچھ چندہ بھی جمع کرلیا ہے اور ایک عالم بھی ذہن میں قرار دے لئے ہیں۔ ایک عالم کا بستی میں رہنا ضروری ہے اب وقت اس کا ہے آپ لوگ عمارت کی بنیاد رکھیں اور یہ دعا کریں ربنا تقبل منا انك انت

---

(۱) برقرار رہنا۔

السمیع العلیم۔(۱) یہ دعا حضرت ابراہیم کی جو بوقت بناء کعبہ کے آپ نے جناب باری میں عرض کی تھی اور واقع میں حق تعالیٰ کی اعانت (۲) کی نہایت ضرورت ہے کیونکہ خلوص بھی جب ہی مؤثر ہوتا ہے جبکہ حق تعالیٰ قبول فرمالیں اس لئے کہ سوائے اللہ جل جلالہ کے تمام اشیاء حادث (۳) ہیں اور خلوص بھی انہی میں سے ہے اور کوئی حادث فاعل بالذات (۴) نہیں ہوتا پس خلوص بغیر اعانت پردازی مؤثر نہیں ہوسکتا۔

جہاں تک ہوسکے جلد سے جلد اس کام کو شروع کیجئے اور چونکہ یہ افتتاح عمارت مدرسہ کا وقت ہے اور مجھے معلوم نہیں کہ کبھی یہاں مدرسہ اس سے پہلے ہوا ہو اس مناسبت سے بھی اور دیگر مناسبت سے کہ افتتاحی کتابیں (۵) یہاں پڑھائی جاویں گی اور نیز اس مناسبت سے بھی کہ فتح باب خیر (۶) ہے اور اس مناسبت سے بھی کہ حدیث میں جو یہاں بیان کی گئی ہے لفظ مفتاح واقع ہوا ہے اس مدرسہ کا نام مفتاح العلوم رکھتا ہوں اور اس وعظ کا نام مفتاح الخیر چونکہ یہ اسماء مقتبس من الحدیث (۷) ہیں اس لئے مدرسہ میں نیز اس وعظ میں برکت کی زیادہ امید ہے (۸)۔اب دعا فرمائیے۔

(دعا پر جلسہ ختم ہوا اور سنگ بنیاد مدرسہ رکھا گیا) **تمت بالخیر**

---

(۱) سورۃ البقرۃ آیت ۱۲۷ اے ہمارے پروردگار ہم سے قبول فرمائیے بلاشبہ آپ خوب سننے والے جاننے والے ہیں (۲) مدد (۳) ختم ہونے والی (۴) جو چیز ختم ہونے والی ہو وہ اپنی ذات کے اعتبار سے فاعل نہیں ہوتی (۵) شروع کی کتابیں (۶) ایک خیر کا دروازہ کھولنا ہے (۷) حدیث سے قیاس کرکے یہ نام نکالے گئے ہیں (۸) مدرسہ میں تو اللہ پاک نے دینی برکات عطا فرمائی کہ حضرت تھانوی کے خلیفہ مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب شروانی کی زیرنگرانی خوب ترقی کی کہ دورہ تک تعلیم ہونے لگی ہزاروں تشنگان علم ملک و بیرون ملک سے آکر اپنی پیاس بجھا کر اور اپنے ظروف کو علم دین سے بھر کر گئے اور وعظ میں برکت ظاہر ہے کہ ۱۳۳۶ھ میں ہونے والا وعظ ۸۵ سال سے چھپ رہا ہے اور لوگ پڑھ رہے ہیں آج اس پر جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ میں حاشیہ لکھا جا رہا ہے امید ہے کہ اللہ پاک اس فیض کو تا قیامت جاری رکھیں گے۔

خلیل احمد تھانوی

Composed by: *ALI PRINTERS* 291 Kamran Block A.I.Town LHR.Ph#5414385

اعتراف حقیقت

جسے مل جائے تو یارب اسے دنیا کا پھر غم کیا
ہو تیرے عشق کا زخمِ جگر تو اس پہ مرہم کیا

رضاءِ رب کے آگے شہرت ونفعِ دوعالم کیا
ثواب آخرت کے سامنے دینار ودرہم کیا

عیاں ہیں جرم سب تجھ پر خفی کیا اور مبہم کیا
ترا عفو وکرم ہو تو خطائے ابنِ آدم کیا

ندامت دل میں آجائے تو معصیت کا پھر غم کیا
جو توبہ ہو میسر تو گنہ پھر بیش کیا کم کیا

مقام شکر میں کس فضل کے ہیں منتظر بندے
بھلا کچھ کم ہیں خلقت پر ترے الطاف پیہم کیا

جبالِ علم وتقویٰ منتظر ہیں فضل ورحمت کے
جنید وشبلی وعطّار کیا اور ابنِ ادھم کیا

جو اس دنیا میں لذت آشنائے دردِ الفت ہو
نظر میں اس کی زیب وزینتِ حسن دوعالم کیا

یہاں گھبرا کے ان دشواریوں سے پابہ رحلت ہیں
یہاں سے جا کے یہ دشواریاں ہو جائیں گی کم کیا

مرے آنسو بھی میری معصیت کو غسل دیتے ہیں
چمن میں دھو رہی ہے صبح گاہی گل کو شبنم کیا

ہوئی جب بند آنکھیں پھیر لی آنکھیں زمانہ نے
بدل جاتا ہے یوں چشم زدن میں سارا عالم کیا

زمانہ اس قدر کیوں بے رخی کرنے لگا آخر
بدل جاتی ہے عارف دفعۃً تقدیر مبرم کیا